ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3952

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(درس نظامی پروگرام)

کورس: اصول فقہ (3952) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ: 05 تا 09)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — GUIDE SOLVED ASSIGNMENT

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: استصحاب اور سد ذرائع کا مفہوم، استصحاب کی اقسام، فقہی قواعد اور حجیت

سوال نمبر 1: استصحاب اور سد ذرائع کا شرعی و اصطلاحی مفہوم بیان کریں۔ نیز استصحاب کی اقسام، اس پر مبنی فقہی قواعد (مثلاً "الاصل بقاء ما کان علی ما کان") اور اس کی حجیت کے بارے میں فقہاء کی آراء تفصیل سے واضح کریں۔ (20)

تعارف

اصول فقہ کے تبعی ادلہ میں استصحاب اور سد ذرائع کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ استصحاب روزمرہ کے فقہی عمل میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا اصول ہے، کیونکہ ہر عبادت و معاملے میں اصل حالت کے باقی رہنے کا تصور کارفرما ہوتا ہے۔ سد ذرائع کا تعلق شریعت کی اس حکمت سے ہے کہ جو چیز برائی کا ذریعہ بنے اسے بھی روکا جائے تاکہ معاشرہ مفاسد سے محفوظ رہے۔ یہ دونوں اصول شریعت کے مقاصد، یعنی مصالح کی حفاظت اور مفاسد کی روک تھام، سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اس جواب میں پہلے دونوں کا شرعی و اصطلاحی مفہوم بیان کیا جائے گا، پھر استصحاب کی اقسام، اس پر مبنی مشہور فقہی قواعد اور اس کی حجیت کے بارے میں فقہاء کی آراء تفصیل سے پیش کی جائیں گی، اور ساتھ ہی سد ذرائع کی اقسام و حجیت کا جائزہ بھی شامل ہوگا تاکہ سوال کے تمام اجزاء پورے ہو جائیں۔

استصحاب کا شرعی و اصطلاحی مفہوم

استصحاب کے لغوی معنی کسی چیز کو اپنے ساتھ لازم رکھنا اور اس کی صحبت برقرار رکھنا ہے۔ اصطلاح میں استصحاب سے مراد یہ ہے کہ جو حالت یا حکم پہلے یقیناً ثابت تھا، اسے اس وقت تک باقی سمجھا جائے جب تک اس کے ختم یا تبدیل ہونے کی کوئی دلیل نہ مل جائے۔ آسان الفاظ میں، یہ اصل حالت کے استمرار کا حکم ہے۔ مثلاً ایک شخص کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہے کہ اس نے وضو کیا تھا، پھر وضو ٹوٹنے میں شک ہو جائے تو استصحاب کا تقاضا ہے کہ اسے باوضو ہی سمجھا جائے، کیونکہ یقینی حالت شک سے زائل نہیں ہوتی۔ اسی طرح کسی شخص کی زندگی ثابت ہو تو اس کی وفات کی دلیل آئے بغیر اسے زندہ تصور کیا جائے گا اور اس کی جائیداد ورثاء میں تقسیم نہیں ہوگی۔ استصحاب کی شرعی بنیاد یہ ہے کہ شریعت یقین کو شک پر مقدم رکھتی ہے اور انسانی معاملات کو استحکام عطا کرتی ہے۔ بخاری و مسلم میں مروی مشہور روایت کا مفہوم بھی یہی ہے کہ جس شخص کو وضو کے ٹوٹنے میں شک ہو وہ اس وقت تک نماز سے نہ ہٹے جب تک واضح دلیل نہ پالے۔ اس طرح استصحاب نفس انسانی کی وسوسہ پسندی کا بھی علاج ہے۔

استصحاب کی اقسام

جدول: استصحاب کی اہم اقسام

قسم	مفہوم	مثال
استصحاب البراءۃ الاصلیہ	انسان کا ذمہ اصلاً ہر تکلیف و حق سے بری ہے جب تک دلیل سے کوئی حکم ثابت نہ ہو	کسی شخص پر کوئی دیت یا قرض اس وقت تک نہیں جب تک دعویدار دلیل نہ لائے
استصحاب الوصف	وصف پہلے ثابت تھی وہ باقی سمجھی جائے گی	ثابت شدہ طہارت کا شک کے باوجود باقی رہنا
استصحاب الحکم الشرعی	جو شرعی حکم نص یا اجماع سے ثابت ہو اوہ نسخ کی دلیل تک باقی رہے گا	کسی عمل کی ثابت شدہ اباحت کا جاری رہنا
استصحاب العموم	عام نص کا حکم تمام افراد پر جاری رہے گا جب تک مخصص نہ آئے	عام حکم کا ہر فرد پر منطبق رہنا
استصحاب الاباحہ	اشیاء میں اصل اباحت ہے جب تک حرمت کی دلیل نہ آئے	نئی اشیائے خورد و نوش کا حکم دلیل کے بغیر اباحت پر رہنا

ان اقسام کا خلاصہ یہ ہے کہ استصحاب کبھی عدمی حالت کا ہوتا ہے، جیسے براءت ذمہ اور اباحت اصلیہ، اور کبھی وجودی حالت کا، جیسے زندگی، ملکیت اور طہارت کا باقی رہنا۔ کچھ اصولیین نے استصحاب کو استدلال کی مستقل قسم قرار دیا ہے اور کچھ نے اسے محض اصل حالت کی حفاظت کہا ہے۔ فقہی عمل میں استصحاب کا سب سے زیادہ اطلاق عبادات میں طہارت و نجاست، معاملات میں ملکیت و قبضے، اور قضاء میں براءت ذمہ کے مسائل پر ہوتا ہے۔ عدالتوں کا یہ معروف اصول کہ مدعی پر دلیل لازم ہے اور منکر سے قسم لی جاتی ہے، اس کی بنیاد بھی استصحاب البراءۃ الاصلیہ ہی ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ ہر شخص کا ذمہ بری ہے اور جو اس کے خلاف دعویٰ کرے وہ دلیل پیش کرے گا۔ اس اعتبار سے استصحاب جدید قانونی نظاموں کے بنیادی اصول، یعنی بے گناہی کے اصل اصول، سے بھی ہم آہنگ ہے اور اس کی افادیت آفاقی ہے۔

استصحاب پر مبنی فقہی قواعد

استصحاب کی بنیاد پر فقہاء نے کئی کلی قواعد وضع کیے جو فقہی کتب اور مجلہ احکام عدلیہ جیسی مدونات میں درج ہیں۔ پہلا اور بنیادی قاعدہ وہی ہے جو سوال میں مذکور ہے: الاصل بقاء ماکان علی ماکان، یعنی اصل یہ ہے کہ جو چیز جس حالت پر تھی، اسی حالت پر باقی رہے گی۔ دوسرا قاعدہ: الیقین لا یزول بالشک، یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ یہ قاعدہ صحیح مسلم میں مروی اس ارشاد سے ماخوذ ہے جس کا مفہوم ہے کہ [illegible] میں وسوسہ ہو تو یقین یعنی طہارت کو چھوڑا نہیں جائے گا۔ تیسرا قاعدہ: الاصل براءۃ الذمہ، یعنی اصل یہ ہے کہ ہر انسان کا ذمہ حقوق و واجبات سے بری ہے۔ چوتھا قاعدہ: الاصل فی الاشیاء الاباحۃ، یعنی اشیاء میں اصل اباحت ہے جب تک حرمت ثابت نہ ہو۔ پانچواں قاعدہ: الاصل فی الکلام الحقیقۃ، یعنی بات کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے گا جب تک قرینہ نہ ہو۔ یہ قواعد عملاً قضاء و فتویٰ میں روزانہ استعمال ہوتے ہیں اور عدالتی فیصلوں میں بوجھ ثبوت کا تعین بھی انہی سے ہوتا ہے۔

استصحاب کی حجیت میں فقہاء کی آراء

استصحاب کی حجیت میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ جمہور شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک استصحاب مطلقاً حجت ہے، یعنی اس سے پچھلے حکم کا دفع بھی ہوتا ہے اور نئے حکم کا اثبات بھی اس کی حدود میں ممکن سمجھا جاتا ہے۔ فقہائے احناف کی مشہور رائے یہ ہے کہ استصحاب دفع کے لیے حجت ہے، اثبات کے لیے نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ استصحاب سے کسی ثابت شدہ حق کی حفاظت تو ہو سکتی ہے اور حملہ آور دعوے کو روکا جا سکتا ہے، لیکن اس سے کسی کے لیے نیا حق ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر مفقود الخبر شخص کی زندگی کا استصحاب اس کی اپنی جائیداد کی حفاظت کے لیے تو حجت ہے، لیکن اس بنیاد پر اسے کسی دوسرے مرحوم رشتہ دار کی میراث کا وارث قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بعض متاخر اصولیین نے درمیانی رائے اختیار کی ہے کہ استصحاب ایک ظنی دلیل ہے جو اس وقت تک کارآمد ہے جب تک کوئی دوسری دلیل سامنے نہ آئے۔ اختلاف کے باوجود تمام مکاتب کے عملی فروع میں استصحاب بکثرت استعمال ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عملی اعتبار مسلم ہے اور اختلاف زیادہ تر اس کے اصولی مرتبے اور اثبات و دفع کے دائرے میں ہے۔

سد ذرائع: مفہوم، اقسام اور حجیت

ذرائع، ذریعہ کی جمع ہے اور سد کے معنی بند کرنا ہے۔ سد ذرائع سے مراد یہ ہے کہ جو چیز بذات خود مباح یا جائز ہو مگر وہ کسی حرام یا مفسدے تک پہنچنے کا ذریعہ بن رہی ہو تو اسے بھی روک دیا جائے۔ یہ اصول اس بنیاد پر ہے کہ شریعت نے جہاں مقاصد کو حرام کیا ہے وہاں ان کے اسباب و ذرائع کو بھی روکا ہے، جیسے زنا کے قریب جانے سے بھی روکا گیا اور سود کے معاملات میں شک والے راستے بند کیے گئے۔ ذریعے کی مفسدے تک پہنچانے کی قوت کے اعتبار سے اصولیین نے اس کی چار صورتیں بیان کی ہیں: وہ ذریعہ جو یقینی طور پر حرام تک لے جائے، وہ جو غالب گمان کے ساتھ لے جائے، وہ جو اکثر اوقات لے جائے مگر ہمیشہ نہیں، اور وہ جو شاذ و نادر لے جائے۔ پہلی دو صورتوں کو روکنے پر تقریباً اتفاق ہے، تیسری میں تفصیل اور چوتھی کو روکنا عام طور پر درست نہیں سمجھا جاتا۔ حجیت کے اعتبار سے امام مالک اور امام احمد رحمہا اللہ کے نزدیک سد ذرائع مضبوط دلیل ہے اور مالکی فقہ میں اس کا استعمال نہایت وسیع ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اسے مستقل دلیل نہیں مانتے اور احناف بھی اسے محدود صورتوں میں قبول کرتے ہیں، تاہم عملاً تمام مکاتب کے فروع میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں ذریعہ مفسدہ ہونے کی وجہ سے مباح چیز کو روکا گیا۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ استصحاب اصل حالت کے استمرار کا نام ہے، جس کی متعدد اقسام ہیں اور جس پر الاصل بقاء ما کان علی ما کان اور الیقین لا یزول بالشک جیسے عظیم فقہی قواعد مبنی ہیں۔ اس کی حجیت میں دفع و اثبات کے دائرے میں اختلاف کے باوجود اس کا عملی استعمال تمام مکاتب میں مسلم ہے۔ سد ذرائع مفاسد کے راستے بند کرنے کا اصول ہے جو مقاصد شریعت کی حفاظت کا اہم ذریعہ ہے۔ دونوں اصول مل کر بتاتے ہیں کہ شریعت محض ظاہری احکام تک محدود نہیں بلکہ احکام کے نتائج و ثمرات کو بھی دیکھتی ہے۔ یہ بحث تعلیمی ہے؛ کسی مخصوص معاملے میں سد ذرائع کی تطبیق یا استصحاب پر مبنی فتویٰ مستند اہل علم کا کام ہے۔

سوال نمبر 2: حکم شرعی کی تعریف وارکان، حکم تکلیفی ووضعی کا فرق اور اہلیت کی اقسام

سوال نمبر 2: حکم شرعی کی تعریف اور اس کے ارکان (حاکم، محکوم علیہ، محکوم فیہ، محکوم بہ) کا تفصیلی تعارف کروائیں۔ نیز حکم تکلیفی اور حکم وضعی کا فرق بیان کرتے ہوئے اہلیت وجوب اور اہلیت اداء کے مفہوم اور اقسام کا احاطہ کریں۔ (20)

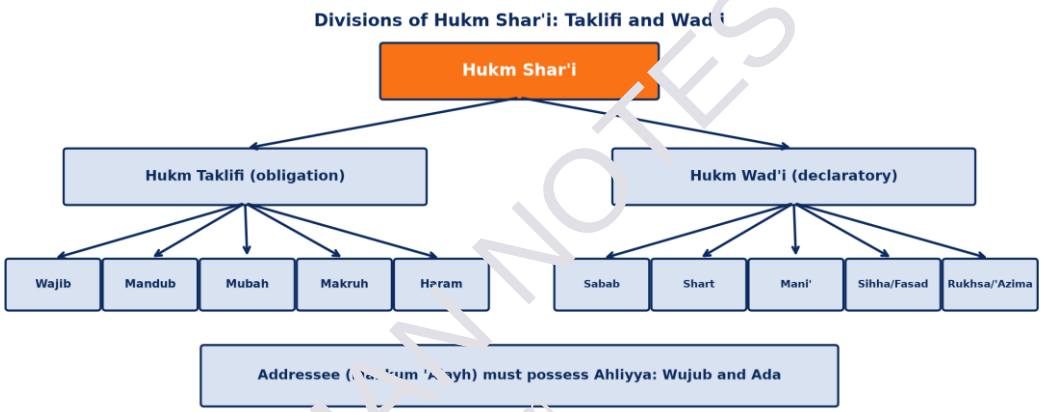
تعارف

اصول فقہ کی ایک مرکزی بحث حکم شرعی کی ہے، کیونکہ تمام ادلہ کی غایت یہی ہے کہ کسی عمل کا شرعی حکم معلوم کیا جائے۔ حکم کیا ہے، اس کے ارکان کون سے ہیں، حکم کس پر عائد ہوتا ہے، کس فعل سے متعلق ہوتا ہے، اور خطاب شریعت کی کتنی صورتیں ہیں، یہ سب وہ سوالات ہیں جن کا جواب اس بحث میں دیا جاتا ہے۔ حکم کی درست سمجھ کے بغیر نہ نصوص کی تشریح درست ہو سکتی ہے اور نہ احکام کی درجہ بندی۔ اس جواب میں پہلے حکم شرعی کی تعریف اور ارکان بیان ہوں گے، پھر حکم تکلیفی و حکم وضعی کی تفصیل اور باہمی فرق واضح کیا جائے گا، اور آخر میں اہلیت وجوب و اہلیت اداء کے مفاہیم اور ان کی اقسام اور عوارض کا احاطہ کیا جائے گا تاکہ مکلف کی قانونی حیثیت کا پورا نقشہ سامنے آ جائے۔

حکم شرعی کی تعریف اور ارکان

اصولیین کے نزدیک حکم شرعی کی مشہور تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ خطاب جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو، طلب یا اختیار دینے کی صورت میں ہو یا کسی چیز کو سبب، شرط یا مانع قرار دینے کی صورت میں۔ اس تعریف میں خطاب سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو قرآن و سنت کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے۔ حکم کے چار ارکان بیان کیے جاتے ہیں۔ پہلا رکن حاکم ہے، یعنی حکم دینے والا، اور اسلامی قانون میں حقیقی حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف سے مبلغ ہیں۔ دوسرا رکن محکوم علیہ ہے، یعنی مکلف انسان جس پر حکم عائد ہوتا ہے اور جس کے لیے عاقل و بالغ ہونا شرط ہے۔ تیسرا رکن محکوم فیہ ہے، یعنی وہ فعل جس سے خطاب متعلق ہوتا ہے، جیسے نماز، بیع یا

چوری۔ چوتھا رکن محکوم بہ ہے، یعنی اس خطاب کا نتیجہ یا وصف جو فعل پر لگتا ہے، مثلاً وجوب، حرمت یا اباحت۔ بعض اصولیین محکوم بہ کو خود حکم ہی کا دوسرا نام قرار دیتے ہیں اور یوں ارکان کی گنتی میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے، مگر مضمون سب کا ایک ہی ہے کہ حکم حاکم، مکلف، فعل اور اس فعل کی شرعی کیفیت کے مجموعے کا نام ہے۔



شکل: حکم شرعی کی دو بڑی قسمیں: تکلیفی اور وضعی

حکم تکلیفی اور اس کی اقسام

حکم تکلیفی اس خطاب کو کہتے ہیں جس میں مکلف سے کسی عمل کا براہ راست مطالبہ ہو یا اسے انتخاب کا اختیار دیا گیا ہو۔ اس کی پانچ اقسام ہیں۔ واجب وہ ہے جس کا کرنا لازم ہو اور چھوڑنے پر سزا کا استحقاق ہو۔ مندوب و مستحب وہ ہے جس کا کرنا پسندیدہ اور ثواب کا باعث ہو مگر چھوڑنے پر سزا نہ ہو۔ مباح وہ ہے جس کے کرنے اور چھوڑنے دونوں کی اجازت ہو اور اس پر ثواب و عتاب نہ ہو۔ مکروہ وہ ہے جس کا چھوڑنا بہتر ہو مگر کرنا قطعی سزا کا باعث نہ ہو۔ حرام وہ ہے جس کا چھوڑنا لازم ہو اور کرنا سزا کا باعث بنے۔ یہی پانچ درجے فقہ کے ہر باب میں احکام کی بنیادی درجہ بندی ہیں۔ واضح رہے کہ احناف کے نزدیک فرض و واجب میں دلیل کی قطعیت کے اعتبار سے فرق ہے، جبکہ جمہور دونوں کو قریب المعنی سمجھتے ہیں؛ یہی فرق مکروہ تحریمی و تنزیہی کی تقسیم میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

حکم وضعی اور حکم تکلیفی سے فرق

حکم وضعی اس خطاب کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کو دوسری چیز کا سبب، شرط یا مانع قرار دیا گیا ہو۔ اس میں براہ راست مطالبہ نہیں ہوتا بلکہ ایک قانونی نسبت قائم کی جاتی ہے۔ اس کی اقسام میں سبب، جیسے زوال آفتاب کا نماز کے وجوب کا سبب ہونا؛ شرط، جیسے نماز کے لیے وضو کا شرط ہونا؛ مانع، جیسے حیض کا نماز کے وجوب میں مانع ہونا؛ اور صحت و فساد اور عزیمت و رخصت کی صورتیں شامل ہیں۔ حکم تکلیفی و وضعی کا فرق یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ تکلیفی مکلف کے فعل سے براہ راست مطالبہ کرتا ہے اور مکلف اس پر قدرت رکھتا ہے، جبکہ وضعی شارع کی طرف سے ایک نسبت کا قیام ہے جو مکلف کی قدرت میں ضروری نہیں، مثلاً زوال آفتاب انسان کے اختیار میں نہیں مگر وہ وجوب کا سبب ہے۔ ایک اور فرق یہ ہے کہ حکم تکلیفی کے لیے مکلف کا اہل ہونا شرط ہے، جبکہ حکم وضعی کا تعلق نابالغ اور مجنون کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے، مثلاً بچے کے مال سے زکاۃ یا اس کے توڑ پھوڑ پر ضمان کا حکم وضعی نوعیت رکھتا ہے۔

جدول: حکم تکلیفی اور حکم وضعی کا باہمی فرق

پہلو	حکم تکلیفی	حکم وضعی
مفہوم	مکلف سے فعل کا مطالبہ یا اسے اختیار دینا	کسی چیز کو سبب، شرط یا مانع قرار دینا
اقسام	واجب، مندوب، مباح، مکروہ، حرام	سبب، شرط، مانع، صحت، فساد، عزیمت، رخصت
اہلیت کی شرط	مکلف کا عاقل بالغ ہونا ضروری ہے	اہلیت شرط نہیں؛ بچے و مجنون سے بھی متعلق ہو سکتا ہے
قدرت کا تعلق	فعل مکلف کی قدرت میں ہونا شرط ہے	سبب کا مکلف کی قدرت میں ہونا ضروری نہیں

USMAN NOTES www.usmannotes.com

اہلیت وجوب

اہلیت کے لغوی معنی صلاحیت و قابلیت کے ہیں۔ اصولیین نے اس کی دو بڑی قسمیں بیان کی ہیں: اہلیت وجوب اور اہلیت اداء۔ اہلیت وجوب سے مراد انسان کی وہ صلاحیت ہے جس کی بنیاد پر اس کے حق میں حقوق ثابت ہوں اور اس پر واجبات عائد ہوں۔ اس کی بنیاد انسانیت اور ذمہ ہے، اسی لیے یہ ہر انسان کو حاصل ہوتی ہے، حتیٰ کہ جنین کو بھی میراث و وصیت جیسے حقوق کے اعتبار سے جزوی اہلیت حاصل ہوتی ہے۔ اہلیت وجوب کی دو اقسام ہیں: ناقصہ، جو ان حقوق تک محدود ہو جن میں محض نفع ہو یا جن کا ثبوت ضرورت پر مبنی ہو، جیسے بچے کے حق میں میراث و ہبہ کا ثبوت؛ اور کاملہ، جو بلوغ عقل کے بعد حاصل ہوتی ہے جب انسان کے حق میں حقوق بھی ثابت ہوتے ہیں اور اس پر واجبات بھی مکمل طور پر عائد ہوتے ہیں۔ اس اہلیت کی بدولت بچہ وارث بنتا ہے، اس کے مال میں زکاۃ اور ضمان جیسے احکام جاری ہوتے ہیں اور ولی اس کی طرف سے لین دین کرتا ہے۔

اہلیت اداء اور اس کے عوارض

اہلیت اداء سے مراد انسان کی وہ صلاحیت ہے جس سے اس کے اقوال و افعال شرعاً معتبر ہوتے ہیں اور ان پر احکام مرتب ہوتے ہیں، یعنی وہ خود عبادات ادا کرے اور معاملات کرے اور اس کے تصرفات نافذ ہوں۔ اس کی بھی دو اقسام ہیں: قاصرہ، جو صغیر ممیز یعنی سمجھ دار بچے کو حاصل ہوتی ہے؛ اس کے وہ تصرفات جو خالص نفع کے ہوں درست ہیں، خالص نقصان والے باطل اور دائر بین النفع والضرر ولی کی اجازت پر موقوف ہوتے ہیں۔ کاملہ وہ ہے جو عاقل و بالغ انسان کو حاصل ہوتی ہے اور اس کے تمام تصرفات معتبر ہوتے ہیں۔ اہلیت اداء پر بعض عوارض بھی طاری ہوتے ہیں جنہیں عوارض اہلیت کہتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں: سماویہ، جو انسان کے اختیار کے بغیر ہوں، جیسے صغر، جنون، نیند، بے ہوشی، بھول، مرض اور موت؛ اور مکتسبہ، جو انسان کے اپنے اختیار یا فعل سے پیدا ہوں، جیسے جہل، نشہ، مزاح میں کہی گئی بات، سفر، خطا، مفلسی اور اکراہ۔ ان عوارض کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بعض صورتوں میں تکلیف ساقط ہو جاتی ہے، بعض میں تخفیف ہوتی ہے اور بعض میں تصرفات کی حیثیت بدل جاتی ہے۔ یہ تقسیم انسان کی قانونی شخصیت کے تحفظ اور عدل کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

حاصل یہ ہے کہ حکم شرعی اللہ کا وہ خطاب ہے جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہے اور اس کے ارکان حاکم، محکوم علیہ، محکوم فیہ اور محکوم بہ ہیں۔ حکم کی دو قسمیں ہیں: تکلیفی جو مطالبے کی پانچ صورتیں رکھتا ہے اور وضعی جو سبب، شرط و مانع کی نسبت قائم کرتا ہے۔ مکلف ہونے کی صلاحیت اہلیت کہلاتی ہے جس کی وجوب و اداء دو شاخیں ہیں اور ہر ایک کی ناقص و کامل صورتیں اور ان پر طاری ہونے والے عوارض شرعی حکم رہتے ہیں۔ اس ساری بحث نے انسانی قانونی شخصیت کو اسلامی قانون میں نہایت منظم بنیاد عطا کی ہے۔ کسی خاص فرد کی اہلیت یا کسی خاص معاملے کے حکم کے بارے میں قطعی رائے اہل علم کے متعلقہ قانونی مرجع ہی کی ذمہ داری ہے۔

سوال نمبر 3: عام و خاص، مطلق و مقید اور امر و نہی کے احکام

سوال نمبر 3: استنباط احکام کے لغوی و اصطلاحی قواعد میں "عام" اور "خاص" کی تعریف و احکام بیان کریں۔ نیز مطلق و مقید اور امر و نہی کے صیغوں کی شرعی دلالت اور ان کے شرعی احکام پر مفصل بحث کریں۔ (20)

تعارف

نصوص شریعت عربی زبان میں نازل ہوئی ہیں، اس لیے ان سے احکام کے استنباط کے لیے زبان کے قواعد کو سمجھنا ناگزیر ہے۔ اصولیین نے الفاظ کی دلالت کے اعتبار سے ایک مفصل نظام وضع کیا ہے جس میں عام و خاص، مطلق و مقید، امر و نہی اور مشترک وغیرہ کی بحثیں شامل ہیں۔ یہ قواعد دراصل اس سوال کا جواب ہیں کہ شارع کا خطاب کن افراد پر، کس قید کے ساتھ اور کس درجے کے مطالبے کے ساتھ لاگو ہو گا۔ ان قواعد کے بغیر نص کو پڑھنے والا یا تو حکم کو ضرورت سے زیادہ وسیع کر دے گا یا غیر ضروری تنگی پیدا کر دے گا۔ اس جواب میں ان تینوں جوڑوں کی تعریف، اقسام اور شرعی احکام تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔

عام کی تعریف، صیغے اور حکم

عام وہ لفظ ہے جو اپنے تمام افراد کو بغیر کسی حصر کے شامل ہو، یعنی اس کا مفہوم ایک ہی دفعہ تمام افراد پر منطبق ہو جائے۔ عموم کے معروف صیغے یہ ہیں: وہ اسم جو الف لام کے ساتھ معرفہ ہو جبکہ عہد مقصود نہ ہو؛ جمع کے صیغے شرط و استفہام کے کلمات جیسے من، ما اور این؛ نکرہ نفی کے سیاق میں؛ اور وہ الفاظ جو بذات خود عموم کا مفہوم رکھتے ہوں جیسے کل، جمیع اور کافہ۔ عام کا حکم یہ ہے کہ اس کے تمام افراد پر حکم بلا استثنا لاگو ہو گا جب تک تخصیص کی دلیل نہ آ جائے۔ اس مسئلے میں یہ نکتہ اہم ہے کہ فقہائے احناف کے نزدیک عام اپنی دلالت میں قطعی ہے، جس طرح خاص قطعی ہوتا ہے، اس لیے اس کی تخصیص خبر واحد و قیاس سے اس وقت ہوتی ہے جب پہلے کسی قطعی یا مضبوط دلیل سے تخصیص واقع ہو چکی ہو۔ جمہور اصولیین کے نزدیک عام کی دلالت ظنی ہے، اس لیے اسے خبر واحد و قیاس سے براہ راست مخصوص کیا جا سکتا ہے۔ تخصیص کے بعد باقی افراد پر عام کا حکم جاری رہتا ہے اور اسے عام مخصوص کہا جاتا ہے۔ اس بحث کا عملی ثمرہ بے شمار فقہی مسائل میں ظاہر ہوتا ہے جہاں آیت یا حدیث کے عام لفظ کو کسی دلیل سے محدود کیا جاتا ہے۔

خاص کی تعریف اور حکم

خاص وہ لفظ ہے جو صرف ایک معین فرد یا محدود افراد کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے کسی شخص کا نام یا ایک متعین عدد و مقدار۔ خاص اپنی دلالت میں بالاتفاق قطعی ہوتا ہے، اس میں تاویل اور احتمال کی گنجائش نہیں ہوتی اور اس پر فوراً عمل لازم ہوتا ہے۔ اگر عام اور خاص میں تعارض محسوس ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے، یعنی نصوص میں جمع و تطبیق یہ ہے کہ خاص، عام کے حکم کو اپنے دائرے میں محدود کر دیتی ہے۔ خاص کی بحث یہ بھی واضح کرتی ہے کہ شارع جب کسی حکم کو مخصوص صورت سے باندھ دے تو اسے اپنی طرف سے وسیع کرنا درست نہیں۔ تخصیص کی دلیل دو طرح کی ہوتی ہے: متصل، جیسے استثنا، شرط، صفت اور غایت جو کلام ہی کا حصہ ہوں؛ اور منفصل، جو الگ نص یا اجماع یا قیاس کی صورت میں آئے۔ منفصل مخصص کی بحث میں یہ اختلاف بھی ہے کہ عقل اور حس خود بھی تخصیص کر سکتے ہیں یا نہیں، اور جمہور کے نزدیک بچے و مجنون جیسے افراد عقل کے تقاضے سے عام خطاب سے خارج سمجھے جاتے ہیں۔

جدول: عام اور خاص کا تقابل

پہلو	عام	خاص
مفہوم	تمام افراد کو بغیر حصر شامل لفظ	ایک معین فرد یا محدود افراد کے لیے لفظ
دلالت	احناف کے نزدیک قطعی، جمہور کے نزدیک ظنی	بالاتفاق قطعی
حکم	تمام افراد پر عمل جب تک تخصیص نہ ہو	فوراً اسی فرد پر عمل، تاویل کی گنجائش نہیں
مثالیں	کل، جمیع، معرفہ باالام، اسم شرط	نام، متعین عدد، محدود مقدار

مطلق اور مقید

مطلق وہ لفظ ہے جو کسی فرد غیر معین پر دلالت کرے اور اس کے ساتھ کوئی قید نہ لگی ہو، جیسے رقبہ یعنی غلام کا لفظ بغیر ایمان کی قید کے۔ مقید وہ ہے جس کے ساتھ کوئی وصف بطور قید موجود ہو، جیسے رقبہ مؤمنہ۔ مطلق کا حکم یہ ہے کہ اس پر اسی اطلاق کی حالت میں عمل ہو گا اور کسی غیر مذکور قید کا اضافہ نہیں کیا جائے گا، جبکہ مقید پر اس کی قید سمیت عمل ہو گا۔ اہم بحث یہ ہے کہ جب ایک ہی حکم کے بارے میں ایک جگہ مطلق آئے اور دوسری جگہ مقید تو کیا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا؟ اصولیین نے اس کی شرائط مقرر کی ہیں: حکم ایک ہو، سبب ایک ہو یا متحد فی الحکم ہو، اور دونوں نصوص میں کوئی تعارض نہ ہو۔ مثال کے طور پر ظہار کے کفارے میں رقبہ مطلق آیا ہے جبکہ قتل خطا کے کفارے میں رقبہ مؤمنہ مقید ہے، مگر حکم و سبب مختلف ہونے کی بنا پر جمہور کے نزدیک یہاں حمل نہیں ہو گا۔ اس کے برعکس جہاں حکم اور سبب متحد ہوں وہاں مطلق کو مقید پر محمول کرنا متفق علیہ ہے۔

USMAN NOTES www.usmannotes.com

امر کے صیغے اور ان کے شرعی احکام

امر کا صیغہ طلب فعل کے لیے آتا ہے اور اس کی معروف صورت افعل ہے۔ جمہور اصولیین کے نزدیک امر کا صیغہ حقیقت میں وجوب کے لیے ہے، یعنی جب شارع کا امر بغیر کسی قرینے کے آئے تو اس سے فرض و واجب مراد ہو گا، اور اسی پر قرآن مجید کا وہ اصول دلالت کرتا ہے جس میں رسول کے حکم کی نافرمانی سے ڈرایا گیا ہے۔ امر کے دیگر استعمالات بھی ہیں جن کا تعین قرینے سے ہوتا ہے، جیسے ندب، اباحت، ارشاد، دعا، تہدید اور تعجیز وغیرہ، مگر یہ سب مجازی یا قرینے پر مبنی استعمال ہیں۔ امر کے دو اور اہم مباحث ہیں: کیا امر تکرار کا تقاضا کرتا ہے یا ایک مرتبہ عمل کافی ہے؟ جمہور کے نزدیک امر فی نفسہ نہ تکرار کے لیے ہے نہ عدم تکرار کے لیے، البتہ جہاں حکم علت کے ساتھ معلق ہو وہاں علت کے تکرار سے حکم بھی دہرایا جائے گا۔ دوسری بحث فوروتراخی کی ہے کہ امر بالعمل فوراً مطلوب ہے یا تاخیر کی گنجائش ہے؛ جمہور کے نزدیک اصل یہ ہے کہ غیر ضروری تاخیر جائز نہیں اور سستی و تاخیر کو گناہ کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔

نہی کے صیغے اور ان کے شرعی احکام

نہی امر کی ضد ہے، اس کا صیغہ لا تفعل ہے اور اس سے فعل کے ترک کا مطالبہ ہوتا ہے۔ جمہور کے نزدیک نہی حقیقت میں حرمت کے لیے آتی ہے، یعنی جس چیز سے شارع نے منع کیا ہو وہ بغیر قرینے کے حرام سمجھی جائے گی۔ بعض اوقات نہی کراہت، ارشاد یا دعا کے معنی میں بھی آتی ہے مگر اس کے لیے قرینہ درکار ہوتا ہے۔ نہی کی ایک اہم بحث یہ ہے کہ آیا نہی سے ممنوع فعل کا فساد و بطلان بھی لازم آتا ہے یا نہیں۔ معاملات میں فقہائے احناف کا اصول یہ ہے کہ اگر نہی فعل کی ذات یا اس کے وصف لازم کی وجہ سے ہو تو فعل فاسد ہو گا، اور اگر نہی کسی خارجی امر کی وجہ سے ہو تو فعل صحیح رہے گا مگر گناہ لازم آئے گا۔ اس اصول کی تطبیق سے بیوع اور دیگر معاملات کے بے شمار مسائل حل ہوتے ہیں۔ امر و نہی کی ان بحثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرعی مطالبے کا درجہ الفاظ کے صیغوں اور قرائن سے متعین ہوتا ہے، اسی لیے اصولیین نے ان قواعد کو استنباط کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ عام تمام افراد کو شامل ہوتا ہے اور تخصیص تک اس پر عمل ہوتا ہے، خاص قطعی الدلالت ہوتا ہے اور اپنے دائرے میں حتمی ہے، مطلق بغیر قید کے اور مقید اپنی قید کے ساتھ معتبر ہے، امر اصلاً وجوب اور نہی اصلاً حرمت کے لیے ہے اور ان دونوں کے غیر اصلی استعمالات قرینے سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ قواعد نصوص کو سمجھنے کی چابی ہیں اور فقہی اختلافات کی ایک بڑی وجہ بھی انہی اصولوں میں اختلاف ہے۔ ان قواعد کا اطلاق کسی مخصوص نص پر کرنا اہل علم کا کام ہے؛ طالب علم کو چاہیے کہ وہ نصابی امثلہ سے ان اصولوں کو سمجھ کر آگے بڑھے۔

سوال نمبر 4: نص کی دلالت کی اقسام، مراتب وضوح اور نسخ

سوال نمبر 4: عبارت النص، اشارت النص، دلالت النص اور اقتضاء النص کا مفہوم مثالوں سے واضح کریں۔ نیز ظاہر، نص، مفسر اور محکم کے مراتب کا موازنہ کرتے ہوئے نسخ کی تعریف، شرائط اور اقسام پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

نص سے احکام کے استنباط میں صرف یہ جاننا کافی نہیں کہ لفظ عام ہے یا خاص، بلکہ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ کلام کا وہ مفہوم کس راستے سے حاصل ہوا ہے اور نص کے الفاظ کس درجے کی وضاحت رکھتے ہیں۔ فقہائے احناف نے نص کی دلالت کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے: عبارت النص، اشارت النص، دلالت النص اور اقتضاء النص۔ اسی طرح وضوح کے اعتبار سے الفاظ کو ظاہر، نص، مفسر اور محکم کے مراتب میں رکھا گیا ہے جن کے مقابلے میں خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ آتے ہیں۔ آخر میں نسخ کی بحث اس لیے اہم ہے کہ مراتب وضوح کا عملی اثر یہ ہے کہ جس درجے کی وضاحت زیادہ ہوتی ہے اس میں نسخ کا امکان اتنا ہی کم ہو جاتا ہے۔ اس جواب میں یہ تینوں مباحث مثالوں کے ساتھ بیان کیے جائیں گے۔

عبارت النص اور اشارت النص

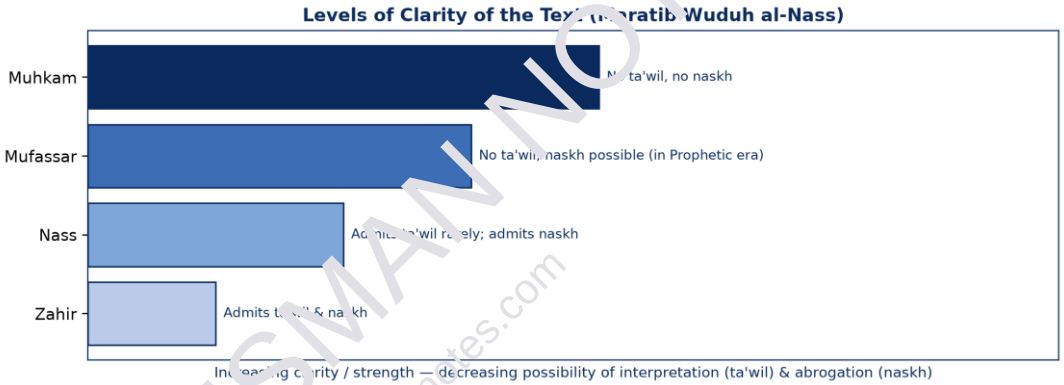
عبارت النص سے مراد وہ مفہوم ہے جو کلام کے الفاظ سے براہ راست اور مقصود اصلی کے طور پر حاصل ہو، یعنی کلام اسی مفہوم کے لیے لایا گیا ہو اور وہ الفاظ کے ظاہری نظام سے فوراً سمجھ میں آجائے۔ مثال کے طور پر سورہ بقرہ میں بیع کو حلال اور ربا کو حرام قرار دینے والی آیت کی عبارت سے دو حکم براہ راست حاصل ہوتے ہیں: خرید و فروخت جائز ہے اور سود حرام ہے۔ یہی عبارت النص ہے اور اس سے حاصل شدہ حکم سب سے مضبوط اور قطعی درجے کا ہوتا ہے۔ اشارت النص سے مراد وہ مفہوم ہے جو الفاظ کے التزامی معنی سے حاصل ہو اور کلام کا اصل مقصد نہ ہو، مگر کلام کو سمجھنے سے وہ لازم آتا ہو۔ اس کی معروف مثال سورہ بقرہ کی وہ آیت ہے جس میں بچے کا نسب اور نفقے کی ذمہ داری باپ کی طرف منسوب کی گئی ہے؛ اس کا عبارت کا مفہوم والدین کے مابین دودھ پلانے کے عرصے کے اخراجات ہیں، لیکن اشارے سے ثابت ہوتا ہے کہ بچے کا نسب باپ کی طرف ہو گا اور بچے کی ملکیت و مصارف کا اصل ذمہ بھی باپ ہی اٹھائے گا۔ اشارت النص سے حاصل حکم بھی حجت اور قرآن ہوتا ہے مگر عبارت سے مرتبے میں کم ہوتا ہے، اور تعارض کی صورت میں عبارت کو اشارہ پر مقدم رکھا جاتا ہے۔

دلالت النص اور اقتضاء النص

دلالت النص سے مراد وہ مفہوم ہے جو علت کی شرکت کی وجہ سے سمجھ میں آئے، یعنی جو علت منصوص مسئلے میں پائی جاتی ہے وہ کسی غیر منصوص مسئلے میں برابر یا اس سے بڑھ کر موجود ہو تو اس کا حکم بھی وہی سمجھا جائے۔ فقہاء اسے فحوی الخطاب یا لحن الخطاب بھی کہتے ہیں۔ اس کی مشہور مثال سورہ اسراء میں والدین کو اف تک کہنے کی ممانعت ہے؛ علت یہ ہے کہ والدین کو ایذا نہ پہنچے، اور یہ علت انہیں مارنے پیٹنے یا گالی دینے میں اس سے بڑھ کر پائی جاتی ہے، اس لیے یہ اعمال بطریق اولیٰ حرام ہوں گے۔ یہ قیاس سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ یہاں حکم زبان کے فہم سے خود حاصل ہو جاتا ہے، مستقل اجتہاد کی حاجت نہیں ہوتی۔ اقتضاء النص سے مراد وہ مفہوم ہے جس کا کلام کی صحت و تکمیل کے لیے اضافہ کرنا ضروری ہو، یعنی کوئی محذوف بات فرض کیے بغیر کلام درست مفہوم نہ دے۔ مثلاً میت کو حرام کہنے والی آیت میں اس کا کھانا محذوف ہے، کیونکہ حرمت کا

تعلق کھانے سے ہے نہ کہ خود مردار کی ذات سے۔ اسی طرح خطاونسیان کے رفع والی حدیث میں اس کا حکم یا گناہ مرفوع سمجھا جاتا ہے۔ اقتضاء سے ثابت شدہ مفہوم بھی حجت ہے بشرطیکہ اس تقدیر کے بغیر کلام کی صحت ممکن نہ ہو اور تقدیر ممکن حد تک کم رکھی جائے۔

ظاہر، نص، مفسر اور محکم: مراتب وضوح کا موازنہ



شکل: نص کے وضوح کے مراتب: ظاہر، نص، مفسر اور محکم

جدول: مراتب وضوح النص کا موازنہ

مرتبہ	تعریف	تاویل کا امکان	نسخ کا امکان
ظاہر	جس کا مفہوم الفاظ سے واضح ہو مگر کلام اسی مفہوم کے لیے نہ لایا گیا ہو	تاویل و تخصیص ممکن ہے	ممکن ہے
نص	جس کا مفہوم واضح ہو اور کلام اسی کے لیے لایا گیا ہو	تاویل کا امکان کم، مگر موجود	ممکن ہے
مفسر	جس کا مفہوم اس قدر واضح ہو کہ تاویل	تاویل ممکن نہیں	عہد نبوی میں ممکن تھا

		و تخصیص کی گنجائش ختم ہو جائے	
نا ممکن	نا ممکن	مفسر سے بھی اعلیٰ درجہ؛ نہ تاویل، نہ تخصیص، نہ نسخ	محکم

ان مراتب کا خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر و نص میں تاویل کی گنجائش رہتی ہے اور دونوں پر نسخ بھی واقع ہو سکتا ہے مگر نص، ظاہر سے زیادہ قوی ہے۔ مفسر میں معنی اتنا واضح و محکم ہو جاتا ہے کہ تاویل و تخصیص ختم ہو جاتی ہے، البتہ شارع کے زمانے میں نسخ کا نظری امکان باقی رہتا تھا۔ محکم سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے جس کی مثال اصول دین سے متعلق محکم آیات ہیں اور ان میں کسی تبدیلی کا تصور نہیں۔ ان کے بالمقابل الفاظ کے خفی مراتب ہیں: خفی جس کا مراد کسی خارجی وجہ سے پوشیدہ ہو، مشکل جس کا مفہوم غور و فکر سے حاصل ہو، مجمل جس کا بیان شارع ہی کر سکتا ہے اور متشابہ جس کا حقیقی مفہوم علم الٰہی سے مخصوص ہے۔ مجمل کی مثال نماز، زکاۃ کے الفاظ ہیں جن کی تفصیل سنت نے بیان کی۔ اس درجہ بندی کا فائدہ یہ ہے کہ مجتہد کو معلوم ہو جاتا ہے کہ کس نص میں اجتہاد و تاویل کی گنجائش ہے اور کس نص کو حتمی مان کر آگے بڑھنا ہے۔

نسخ: تعریف، شرائط اور اقسام

نسخ کے لغوی معنی مٹانے اور نقل کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں نسخ سے مراد کسی شرعی حکم کو بعد میں آنے والی دلیل شرعی سے اس طرح ختم کرنا ہے کہ اگر وہ دلیل نہ آتی تو حکم باقی رہتا۔ یہ شارع کی حکمت پر مبنی عمل ہے جس میں امت کی بتدریجی تربیت اور حالات کی تبدیلی کو ملحوظ رکھا گیا۔ سورہ بقرہ میں نسخ کا اصول صراحتاً بیان ہوا ہے کہ اللہ جو حکم منسوخ کرتا ہے یا بھلوا دیتا ہے اس سے بہتر یا اس جیسا حکم لاتا ہے۔ نسخ کی اہم شرائط یہ ہیں کہ ناسخ و منسوخ دونوں شرعی دلیل ہوں، ناسخ منسوخ سے بعد میں ثابت ہو اور دونوں میں حقیقی تعارض ہو یعنی جمع و تطبیق ممکن نہ ہو، کیونکہ جہاں جمع ممکن ہو وہاں نسخ کا دعویٰ درست نہیں۔ نسخ صرف احکام میں ہوتا ہے، عقائد، اخلاقی اصولوں اور گزشتہ واقعات کی خبروں میں نسخ نہیں ہوتا۔ نسخ کا زمانہ بھی عہد نبوی تک محدود ہے، وحی کے انقطاع کے بعد نسخ کا امکان ختم ہو گیا، اس لیے بعد کی کسی دلیل کو ناسخ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

نسخ کی اقسام کئی اعتبار سے بیان کی جاتی ہیں۔ حکم و تلاوت کے اعتبار سے تین صورتیں ہیں: نسخ الحکم دون التلاوت، جس میں تلاوت باقی رہے مگر حکم ختم ہو جائے، یہ سب سے مشہور صورت ہے؛ نسخ التلاوت دون الحکم، جس میں تلاوت ختم ہو جائے مگر حکم باقی رہے؛ اور نسخ الحکم و التلاوت معاً، جس میں دونوں ختم ہو جائیں، ان آخری دو صورتوں کی بعض مثالوں میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ دلیل کے اعتبار سے نسخ کی صورتیں یہ ہیں کہ قرآن کا حکم قرآن سے منسوخ ہو، سنت کا حکم سنت سے منسوخ ہو؛ قرآن کا سنت سے اور سنت کا قرآن سے نسخ ہونے میں اصولیین کا اختلاف ہے۔ دونوں تفصیل کے ساتھ یہاں مذکور ہے۔ ثقل کے اعتبار سے کبھی حکم کی جگہ ہلکا حکم آتا ہے، کبھی بھاری اور کبھی برابر، اور یہ سب حکمت الٰہی کے تحت ہے۔ نسخ کی بحث میں مبالغے سے بچنا ضروری ہے، یہ کہ متقدمین کے ہاں نسخ کا دائرہ وسیع تھا مگر متاخر محققین نے جمع و تخصیص کو مقدم رکھ کر منسوخ آیات کی تعداد بہت کم کر دی ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

اختتامی خلاصہ یہ ہے کہ نص کی دلالت عبارت، اشارہ، دلالت اور اقتضاء کے چار راستوں سے ہوتی ہے اور ان میں عبارت سب سے قوی اور اقتضاء سب سے مخفی راستہ ہے۔ وضوح کے مراتب ظاہر سے محکم تک بڑھتے جاتے ہیں اور ہر بلندی کے ساتھ تاویل و نسخ کا امکان گھٹتا جاتا ہے۔ نسخ بعد والی شرعی دلیل سے سابق حکم کا رفع ہے جو شرائط کے ساتھ صرف عہد نبوی میں واقع ہوا۔ ان مباحث کو سمجھنے سے طالب علم نصوص کو ان کے درست درجے میں رکھنا سیکھتا ہے۔ کسی خاص آیت یا حدیث کو منسوخ قرار دینا یا اس کی دلالت متعین کرنا محقق علماء کا کام ہے اور اس گائیڈ کی بحث خالص تعلیمی مطالعے کے لیے ہے۔

سوال نمبر 5: تعارض ادلہ و ترجیح کے قواعد اور اجتہاد، تقلید، تلفیق و افتاء

سوال نمبر 5: تعارض ادلہ اور ترجیح کے بنیادی قواعد کا جائزہ لیں۔ نیز اجتہاد، تقلید، تلفیق اور افتاء کا مفہوم و شرائط بیان کرتے ہوئے جدید دور میں ان کی عملی اہمیت اور ضوابط پر روشنی ڈالیں۔ (20)

تعارف

فقہی استنباط کے سفر میں مجتہد کو بعض اوقات ایسے مقام سے گزرنا پڑتا ہے جہاں دو دلیلیں بظاہر ایک دوسرے سے ٹکراتی نظر آتی ہیں۔ شریعت میں حقیقی تعارض محال ہے کیونکہ شارع ایک ہی ہے، البتہ انسانی فہم کی حدود کی وجہ سے ظاہری تعارض پیش آتا ہے جس کا حل اصول فقہ کی بحث تعارض و ترجیح میں دیا گیا ہے۔ اسی سے جڑواں موضوع اجتہاد کا ہے، کیونکہ تعارض کا حل بھی اجتہاد ہی کا حصہ ہے، اور اس کے ساتھ تقلید، تلفیق اور افتاء وہ تصورات ہیں جو امت کے علمی نظام کو چلاتے ہیں۔ اس جواب میں پہلے تعارض کو دور کرنے کے مراحل اور ترجیح کی وجوہ بیان ہوں گی، پھر چاروں تصورات کا مفہوم و شرائط، اور آخر میں جدید دور میں ان کی عملی اہمیت و ضوابط پر روشنی ڈالی جائے گی۔

تعارض ادلہ اور اس کا حل

تعارض سے مراد یہ ہے کہ دو شرعی دلیلیں ایک ہی مسئلے میں اس طرح آمنے سامنے ہوں کہ دونوں پر بیک وقت عمل ممکن نہ ہو اور ظاہر میں ایک کا حکم دوسرے کے حکم کی نفی کرتا ہو۔ اصولیین کا متفقہ اصول یہ ہے کہ تعارض ظاہری ہوتا ہے، حقیقی نہیں، کیونکہ شریعت کے تمام دلائل ایک ہی حکیم شارع کی طرف سے ہیں۔ تعارض پیش آنے پر اسے دور کرنے کے مراحل مقرر ہیں جن کی ترتیب میں مکاتب کا معمولی اختلاف ہے۔ پہلا مرحلہ جمع و تطبیق ہے، یعنی دونوں دلیلوں کو اس طرح سمجھا جائے کہ دونوں پر عمل ممکن ہو جائے، مثلاً ایک دلیل کو دوسری کے کسی پہلو پر محمول کر لیا جائے یا عام کو خاص سے محدود کر دیا جائے۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ اگر ایک دلیل کا بعد میں آنا ثابت ہو تو پہلی کو منسوخ سمجھا جائے گا۔ تیسرا مرحلہ ترجیح ہے کہ مضبوط تر دلیل کو مقدم کیا جائے۔ اور اگر کوئی صورت نہ بنے تو فقہائے احناف کے نزدیک دونوں دلیلیں ساقط ہو جاتی ہیں اور پھر کم درجے کی دلیل یا اصل حالت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جبکہ بعض اصولیین توقف کو پسند کرتے ہیں۔ جمہور کے نزدیک جمع کو نسخ و ترجیح پر مقدم رکھنا بہتر ہے کیونکہ اس سے دونوں نصوص پر عمل باقی رہتا ہے۔

ترجیح کے بنیادی قواعد و وجوہ

جدول: ترجیح کی اہم وجوہ

مثال	وضاحت	وجہ ترجیح
متواتر کو خبر واحد پر، حافظ راوی کی روایت کو دوسرے پر ترجیح	راویوں کی کثرت، عدالت و ضبط کی برتری یا سند کی بلندی	سند کی قوت
مفسر کو ظاہر پر اور محکم کو سب پر ترجیح	نص کا زیادہ واضح ہونا یا حکم کا زیادہ مستحکم ہونا	متن کی قوت
جو دلیل اصول عامہ سے موافق ہو اسے مقدم رکھنا	حکم کا مقاصد و قواعد کلیہ سے ہم آہنگ ہونا	حکم کی مناسبت
جس روایت کی تائید عمل اہل مدینہ یا مشہور حدیث سے ہو	دلیل کی تائید کسی دوسری دلیل، اجماع یا تعامل سے ہونا	خارجی امور

ترجیح کا بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ قطعی کو ظنی پر، خاص کو عام پر، مفسر کو مجمل پر اور متواتر کو آحاد پر مقدم رکھا جائے گا۔ اسی طرح جس دلیل میں حکم دلیل کی قوت کے ساتھ ساتھ مصلحت کی رعایت بھی زیادہ ہو اسے دیکھا جائے گا۔ ترجیح کے فیصلے میں ذاتی پسند و ناپسند کو کوئی دخل نہیں، بلکہ یہ طے شدہ علمی پیمانوں پر ہوتا ہے، اور یہی اس نظام کی خوبی ہے کہ مختلف مجتہدین تک اسی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک ترجیح کی وجوہ کا وزن مختلف ہوتا ہے۔ یہ اختلاف فقہی وسعت و رحمت کی شکل اختیار کرتا ہے بشرطیکہ ترجیح واقعی اصولوں پر مبنی ہو۔ دوسری طرف یہ بھی اصول ہے کہ ترجیح صرف برابر درجے کی دلیلوں میں ہو سکتی ہے؛ قطعی دلیل کے مقابل ظنی دلیل کا آجانا تعارض ہی نہیں کہلاتا کیونکہ کمزور خود بخود پیچھے ہٹ جاتی ہے۔

اجتہاد اور تقلید: مفہوم و شرائط

اجتہاد کے لغوی معنی پوری کوشش صرف کرنا ہے اور اصطلاح میں شرعی دلیل سے ظنی حکم کے حصول کے لیے فقیہ کا اپنی پوری استعداد صرف کرنا اجتہاد ہے۔ مجتہد کے لیے سخت شرائط مقرر ہیں: قرآن و سنت کے احکام سے متعلقہ حصے کا گہرا علم، عربی زبان و ادب پر عبور، اصول فقہ میں مہارت، ناسخ و منسوخ کی معرفت، اجماع کے مسائل کی خبر، مقاصد شریعت کی سمجھ اور خود دینی دیانت و پرہیز گاری۔ تقلید اس کے مقابل وہ عمل ہے جس میں غیر مجتہد کسی مجتہد کے قول کو اس کی دلیل کی تفصیل جانے بغیر قبول کرے۔ عوام کے لیے تقلید ناگزیر ہے کیونکہ ہر شخص کے لیے مستقل استنباط ممکن نہیں اور سورہ نحل میں اہل ذکر سے پوچھنے کا حکم بھی اسی کی دلیل بنایا جاتا ہے۔ تقلید کی معتبر صورت تقلید شخصی یا کسی مرتب فقہ کی پیروی ہے جس سے عبادات و معاملات میں تسلسل و یقین حاصل ہوتا ہے، جبکہ غیر منظم طور پر کبھی ایک اور کبھی دوسرے کی پیروی انتشار پیدا کرتی ہے۔

تلفیق اور افتاء: مفہوم و شرائط

تلفیق سے مراد ایک ہی مسئلے میں مختلف مذاہب کے اجزاء کو اس طرح جمع کرنا ہے کہ پیدا ہونے والی صورت کسی بھی مجتہد کے نزدیک درست نہ رہے۔ اس کی یہی صورت ممنوع ہے، مثلاً وضو اور نماز کے ارکان میں مختلف آراء کے صرف آسان اجزاء ملا کر ایسا مجموعہ بنا لینا جو ہر مکتب کی شرائط میں ناقص ہو۔ البتہ اصلاً دوسرے مسلک کی رائے پر عمل کرنے کو، جہاں اس کی شرائط مکمل ہوں، اہل علم نے ضرورت و حاجت کی صورتوں میں جائز رکھا ہے، اور جدید اجتماعی فتاویٰ میں اس کا بڑا عمل دخل ہے۔ تلفیق کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ رخصتوں کی تلاش اور خواہش کی پیروی نہ بن جائے، جسے فقہاء نے تتبع الرخص کہہ کر ناپسند کیا ہے۔ افتاء سے مراد کسی پیش آمدہ مسئلے میں شرعی حکم کی خبر دینا ہے اور فتویٰ دینے والے کو مفتی کہتے ہیں۔ مفتی کے لیے علم و اہلیت کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ سائل کی حالت و عرف سے واقف ہو، فتویٰ میں نرمی و حکمت اختیار کرے اور اس بات کا دھیان رکھے کہ فتویٰ زمان و مکان اور احوال کی تبدیلی سے بدل سکتا ہے، اسی اصول کو متقدمین نے تغیر الفتویٰ سے تعبیر کیا ہے۔ مفتی کا کام حکم بتانا ہے، اس کا نافذ کرنا قاضی و حاکم کا کام ہے، اور فتویٰ و قضاء کا یہی فرق شریعت کے نظام کو متوازن رکھتا ہے۔

جدید دور میں ان کی عملی اہمیت اور ضوابط

جدید دور میں سائنس و ٹیکنالوجی، طب، بینکاری اور مواصلات کے میدانوں میں ایسے مسائل ابھرے ہیں جن کا حل اکیلے فرد کے اجتہاد سے ممکن نہیں۔ اس کے جواب میں اجتماعی اجتہاد کا نظام فروغ پایا، یعنی فقہی اکیڈمیاں اور بین الاقوامی مجامع جہاں مختلف علوم کے ماہرین، ڈاکٹر، ماہرین معاشیات اور فقہاء مل کر مسئلے کی حقیقت سمجھتے اور پھر حکم دیتے ہیں۔ اعضا کے ٹرانسپلانٹ، جدید مالیاتی مصنوعات اور ڈیجیٹل لین دین جیسے موضوعات پر مبنی تحقیقی فتاویٰ اسی نظام کی پیداوار ہیں۔ اس نظام کے ضوابط یہ ہیں کہ مسئلے کی تصوراتی وضاحت متعلقہ ماہرین سے لی جائے، فیصلہ بحث و شرح صدر سے ہو، اختلاف رائے کو ریکارڈ کیا جائے اور فتویٰ کی بنیاد نقل و عقل دونوں ہوں۔ عوام کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ وہ مستند اداروں و اہل علم سے رجوع کریں، سوشل میڈیا کی غیر مصدقہ معلومات پر شرعی عمل نہ کریں اور اپنے مسلکی تسلسل کو بلاوجہ ترک نہ کریں۔ اجتہاد کا دروازہ شرعی شرائط کے ساتھ ہمیشہ کھلا سمجھا گیا ہے، لیکن یہ دروازہ اہلیت والوں کے لیے ہے؛ اس میدان میں داخلے کے لیے علوم آلیہ و شرعیہ کی پختگی ناگزیر ہے اور اس کے بغیر رائے دینا علمی خیانت ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ نصوص میں تعارض صرف ظاہری ہوتا ہے جسے جمع، نسخ اور ترجیح کے اصولوں سے دور کیا جاتا ہے۔ اجتہاد اہل علم کا فریضہ ہے، تقلید عوام کے لیے راہ نجات ہے، تلفیق کی بے قید صورت ممنوع ہے جبکہ شرائط کے ساتھ مذہبی آراء سے استفادہ ممکن ہے، اور افتاء علم و دیانت و احوال کی معرفت کا تقاضا کرتا ہے۔ جدید دور میں ان تصورات کی اہمیت اجتماعی اجتہاد کی صورت میں اور بھی بڑھ گئی ہے۔ تاکیداً یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ سب مباحث تعلیمی جائزے کے طور پر پیش کیے گئے ہیں؛ کسی مخصوص شخص یا واقعے پر شرعی حکم کا اطلاق مستند علماء، مفتیان کرام اور قانونی عدالتوں کا اختصاص ہے۔